QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

ضیاءالنبیؐ میں مستشرقین کے اعتراضات کا علمی محاکمہ: ایک تنقیدی و تقابلی مطالعہ

A CRITICAL STUDY OF THE INTELLECTUAL REFUTATION OF ORIENTALISTS IN ZIYĀ᾿ AL-NABĪ

Abdul Hameed Atari
Mphil scholar, Faculty of Arts and Humanities, Department of Islamic studies, (CAKCCIS), Superior University, Lahore, Pakistan
Dr. Hafiz.M. Mudassar Shafique (Corresponding author)
Assistant professor, Faculty of Arts and Humanities, Department of Islamic studies, (CAKCCIS), Superior University, Lahore, Pakistan
mudassar.shafique@superior.edu.pk
mudassaraarbi@gmail.com

Abstract
This study provides a critical examination of Ziyā᾿ al-Nabī by Pir Karam Shah al-Azharī, focusing on its intellectual engagement with Orientalist critiques of the Prophet Muhammad's صلى الله عليه وسلم*life and mission. The book represents a monumental contribution to Urdu Sīrah literature in the modern era, where Orientalist objections—particularly those concerning Prophetic revelation, the authenticity of historical sources, family and social life, and the nature of Jihād—are systematically addressed. Pir Karam Shah's approach differs from traditional apologetics by employing a balanced methodology that integrates Qur'ānic exegesis, Hadith scholarship, rational argumentation, and historical contextualization. Through this comprehensive framework, he dismantles the Orientalist claim that revelation was a psychological experience, affirms the reliability of early Islamic historiography, and demonstrates the defensive and ethical nature of Jihād in Islam. The analysis reveals that Orientalist critiques often relied on selective references, biased assumptions, and neglect of historical contexts, whereas Ziyā᾿ al-Nabī provides holistic and spiritually grounded responses. Furthermore, the research highlights the continuing relevance of Pir Karam Shah's work as a constructive intellectual model, showing that classical Islamic scholarship retains the capacity to engage with modern critical discourses effectively. Ultimately, this study reaffirms the significance of Sīrah literature in defending the moral and intellectual authority of the Prophet ,*صلى الله عليه وسلم*while offering an enduring framework for scholarly dialogue and resistance against ideological distortions.*

Key Words: *Sīrah, Orientalism, Ziyā᾿ al-Nabī, Refutation, Prophetic Model, Intellectual Resistance*

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی علوم کا وہ بنیادی باب ہے جس پر نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ غیر مسلم اہلِ علم نے بھی اپنی توجہ مرکوز کی۔ مغرب مستشرقین نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تنقیدات کا خاص ہدف بنایا، اور وحی، نبوت، ازواجِ مطہرات، غزوات اور تاریخیمصادر کے حوالے سے مختلف اعتراضات پیش کیے۔ ان اعتراضات میں اکثر علمی غیر جانبداری کے بجائے تعصب، استشراقی رویہ اور تہذیبی غلبے کی خواہش کارفرما تھی۔ ہ پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تصنیہ ضیاء النبی اردو زبان میں سیرت نگاری کا ایک درخشاں نمونہ ہے جس میں نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو تحقیقی انداز میں بیان کیا گیا ہے بلکہ مستشرقین کے اعتراضات کا علمی اور معقول محاکمہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ پیر کرم شاہؒ نے محض دفاعی انداز اختیار نہیں کیا بلکہ عقلی دلاہ ئل، قرآنی استدلال، احادیثِ صحیحہ اور تاریخی شواہد کی بنیاد پر ان اعتراضات کو رد کیا۔ ان کی تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ ہ اسلامی روایت کا علمی سرمایہ آج بھی عصرِ حاضر کے تنقیدی و فکری سوالات کا مدلل جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس مقالے کا مقصد یہ واضح ہ کرنا ہے ہکھضیاءالنبیہ سیرت کے علمی وقار کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف پیدا کیے جانے والے شکوک و شبہات کو علمی و تحقیقی ہ انداز میں دور کرنے کی کامیاب کاوش ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

۔"مستشرکین" محقیقین کی اصطلاحات کے تناظر میں:

استشراق عربی زبان کا لفظ ہے جو شرق سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے مشرق کی طرف نسبت یا جھکاؤ۔ لغوی اعتبار سے مستشرق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشرقی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا مطالعہ کرے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں :

> مستشرقین وہ غیر مسلم مفکرین ہیں جنہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ، قرآن و حدیث اور سیرت النبی ﷺ جیسے موضوعات پر تحقیق کی ہے، بعض نے انصاف سے کام لیا اور بعض نے تعصب سے۔[1]

ایک اور مقام پر ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں :

> مستشرق کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مشرقی علوم بالخصوص اسلام، عربی، فارسی، اردو اور دیگر مشرقی زبانوں اور مذاہب کی تحقیق میں دلچسپی رکھتے ہیں، مگر ان کا پس منظر مغربی اور غیر مسلم ہوتا ہے۔[2]

معروف مفکر ایڈورڈ سعید نے استشراق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا :

> Orientalism is a Western style for dominating, restructuring, and having authority over the Orient.[3]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب نے مشرق کے بارے میں مخصوص تصورات قائم کیے اور ان کے ذریعے علمی اور فکری غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر فضل الرحمان ان کے اندازِ تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ڈاکٹر حمید اللہ نے مستشرقین کی کوششوں کو دو پہلوؤں سے دیکھا :

> مستشرقین میں بعض نے اسلام کا خالص علمی مطالعہ کیا اور بعض نے دینی بغض کے ساتھ تعصب برتا، جس کے نتیجے میں ان کی تحریروں میں گمراہی اور بدگمانی نظر آتی ہے۔[4]

مفتی محمد تقی عثمانی مستشرقین کے بارے میں لکھتے ہیں :

> **یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مستشرقین نے اسلام کو تحقیق کا موضوع بنایا مگر ان کی نیت اصلاح یا فہم نہیں بلکہ اسلام کی بنیادوں کو مشکوک بنانا تھا۔**[5]

استشراق کی علمی بنیادوں کا ذکر کرتے ہوئے ماہر تعلیم ڈاکٹر انور شاہ کشمیری رقم طراز ہیں :

---

[1] Yunis, Lena. "Orientalismo e historicidade na tradução de obras sufis." *EXILIUM Revista de Estudos da Contemporaneidade* 2, no. 2 (2021): 13-46.

[2] غازی، محمود احمد۔ "اسلام، بین الاقوامی قانون اور آج کی دنیا۔" روایت 39، شمارہ 40 (2011): صفحہ 59۔

[3] Said, Edward. "Introduction to orientalism." *Media studies: A reader* (1978): 111-23.

[4] تھمیم، عشامہ، اور سید افتخار علی گیلانی۔ "محمد حمید اللہ کا بین المذاہب مکالمے میں کردار۔" الرسالہ: جرنل آف اسلامک ریویلیڈ نالج اینڈ ہیومن سائنسز (ARJIHS) 7، شمارہ 2 (2023): صفحات 295-311۔

[5] عثمانی، جسٹس مفتی محمد تقی، اور اقبال حسین انصاری۔ اسلامی طرزِ زندگی پر خطبات۔ جلد 1۔ دار الاشاعت پبلیکیشنز، 1999۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یہ مغربی محققین کا ایک ایسا طبقہ ہے جنہوں نے اسلامی علوم میں غیر معمولی مہارت حاصل کی مگر نیت میں فرق ہونے کی وجہ سے ان کی تحقیقات کے نتائج قابلِ اعتماد نہیں رہے۔[1]

پس یہ واضح ہوتا ہے کہ مستشرقین کا مطالعہ علمی ضرور تھا، مگر اس کے پیچھے ہمیشہ ایک مخصوص نظریہ، فکری برتری، اور تہذیبی مقاصد کارفرما رہے، جسے ایڈورڈ سعید نے علمی استعمار Intellectual Colonialism) سے تعبیر کیا۔

مستشرکین کے اعتراضات کا ضیاء النبی کی روشنی میں علمی محاکمہ

ضیاء النبی ایک عظیم الشان سیرت نگاری کا شاہکار ہے جس میں پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مؤرخانہ انداز میں پیش کیا ہے بلکہ مستشرقین کے جانب دارانہ اور معاندانہ اعتراضات کا مدلل اور حکیمانہ انداز میں علمی محاکمہ بھی کیا ہے۔ مستشرقین نے اپنی تحریروں میں نبی اکرم ﷺ کی شخصیت، ان کے فرامین، اور اسلامی تعلیمات پر مختلف النوع اعتراضات کیے ہیں جن کی بنیاد علمی کم اور فکری تعصب پر زیادہ رکھی گئی ہے۔ ضیاء النبی میں ان اعتراضات کو محض رد کرنے کے بجائے ان کی علمی جڑوں کو سمجھ کر نہایت سنجیدہ اور باوقار انداز میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں پانچ بڑے موضوعات نمایاں ہیں جن پر مغربی مفکرین نے بار بار سوالات اٹھائے اور جنہیں پیر کرم شاہؒ نے سیرت کی روشنی میں رد کیا۔ مستشرقین کی طرف سے سب سے بنیادی اعتراض وحی اور نبوت کے تصور پر ہے۔ وہ نبوت کو ایک الہامی اور روحانی تجربہ تسلیم کرنے کے بجائے اس کا تجزیہ صرف عقلی اور نفسیاتی معیار پر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وحی کوئی فوق الفطری شے نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کا ذاتی تجربہ یا اندرونی وجدانی کیفیت ہے جسے مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ وہ نبوت کے الوہی منبع کا انکار کرتے ہوئے اسے انسانی شعور کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔ اس اعتراض کو ضیاء النبی میں قرآنی دلائل، عقلی تجزیے، اور تاریخی شواہد کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔اسی طرح سیرت نبویؐ کے تاریخی ماخذات پر بھی مستشرقین کی طرف سے اعتراضات سامنے آتے ہیں۔ وہ سیرت کی مستند روایات کو محض افسانہ یا مبالغہ قرار دیتے ہیں اور سیرت نگاروں کے اخلاص و دیانت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ابتدائی اسلامی تاریخ زبانی روایت پر مبنی ہے، جسے مکمل طور پر معتبر نہیں مانا جا سکتا۔ پیر کرم شاہؒ نے ضیاء النبی میں علمِ رجال، اصولِ حدیث، اور اسلامی تاریخ نویسی کے مضبوط نظام کو پیش کرتے ہوئے مستشرقین کے اس شکوک کو باطل کیا ہے۔غزوات و جہاد کے موضوع پر مستشرقین کا موقف نہایت جانبدارانہ رہا ہے۔ وہ جہاد کو محض توسیع پسندی، سیاسی غلبے اور مادی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا حربہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا بیانیہ یہ ہے کہ اسلام نے تلوار کے زور پر دین کو پھیلایا، جو کہ سراسر تعصب اور لاعلمی پر مبنی مفروضہ ہے۔ ضیاء النبی میں ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے اسلامی جہاد کے اصول، اخلاقی دائرہ کار، اور مدافعانہ نوعیت کو واضح کیا گیا ہے۔

4.3- مستشرقین کے قرآن کریم پر اعتراضات:

مستشرقین کی جانب سے قرآن کریم پر متعدد علمی اور فکری اعتراضات وارد کیے گئے ہیں جن کا مقصد اسلامی عقائد اور قرآن کے الوہی ماخذ پر سوالیہ نشان اٹھانا ہے۔ ان میں ایک بنیادی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے۔ مستشرقین کے مطابق قرآن ایک ہی قسم کی تکراری باتوں پر مشتمل ہے، جس میں فکر و فہم کے لیے کوئی نیا زاویہ یا منطقی ترقی نظر نہیں آتی۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں قصص الانبیاء، احکام اور ایمانیات بار بار دہرائے گئے ہیں، جس سے وہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ کتاب کسی اعلیٰ اور ہمہ گیر فکری معیار پر پورا نہیں اترتی۔ ان کے نزدیک ایک الہامی کتاب میں فکری جدت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہمہ جہت پیغام ہونا

---

[1] خان، محیبل حسن۔ "شاہ میروں اور چکوں کے دور میں کشمیر کی تاریخ کے کچھ پہلو۔" بھارتی تاریخ کانگریس کی کارروائیوں میں، جلد 16، صفحات 194-200۔ بھارتی تاریخ کانگریس، 1953۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

چاہیے، جبکہ قرآن ان کی رائے میں صرف عربی نثر کی ایک محدود شکل ہے۔[1]ایک اور بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم تدریجی طور پر حالات و واقعات کے مطابق نازل ہوا، لہٰذا وہ ایک مربوط اور مکمل نظام فکر نہیں ہے۔ مستشرقین یہ وسوسہ پیدا کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن مختلف اوقات میں مختلف حالات کے تناظر میں نازل ہوا، اس لیے اس میں تضاد، ناسخ و منسوخ اور فکری عدم استحکام پایا جاتا ہے۔ وہ قرآن کے نزولی اسلوب کو الوہیت کے بجائے بشریت کی دلیل بناتے ہیں۔ ان کا مؤقف ہوتا ہے کہ اگر قرآن الٰہی کتاب ہوتی تو وہ مکمل اور جامع صورت میں ایک ہی وقت میں نازل ہوتی، جیسے آسمانی کتب کے بارے میں عام طور پر دعویٰ کیا جاتا ہے۔ یہ اعتراض درحقیقت قرآن کے حکیمانہ انداز اور تدریجی تعلیمات کی حکمت کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف ایک ظاہری ترتیب پر مبنی ہوتا ہے۔[2]مستشرقین کا ایک اور بنیادی اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام نہیں بلکہ محمد ﷺ کی ذہانت، فکری بصیرت اور عربی ادب کا نتیجہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کتاب اپنے حالات، تجربات اور اردگرد کے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے خود تصنیف کی ہے۔ بعض مستشرقین تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں جو عقائد، اخلاقیات اور سماجی احکامات ملتے ہیں، وہ اس وقت کے دیگر مذاہب، خاص طور پر یہودیت، نصرانیت اور عرب روایات سے ماخوذ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود تعلیمات کا بڑا حصہ پیغمبر اسلام کے ذاتی مشاہدات اور معاشرتی تقاضوں کا نتیجہ ہے، نہ کہ کسی ماورائی ہدایت کا۔ ان اعتراضات کے ذریعے وہ قرآن کے معجزاتی پہلو، اس کی زبان کی فصاحت، اس کے اثرات اور اس کی معنوی گہرائی کو دانستہ طور پر نظرانداز کرتے ہیں۔[3]

مستشرقین کے قرآن کریم پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

اعتراض 1: قرآن کریم میں جدت کا فقدان ہے

پیر کرم شاہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم کا اسلوبِ بیان ایسا ہے کہ وہ ایک ہی موضوع کو مختلف زاویوں سے بیان کرتا ہے تاکہ مخاطب کے فہم و ادراک، حالات، زمان و مکان اور فکری سطح کے مطابق پیغام واضح ہو جائے۔ یہ نہ تکرار ہے، نہ بے جاذبیت، بلکہ حکمت سے لبریز اندازِ تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴾[4]

ترجمہ: اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، مگر اکثر لوگ انکار ہی پر قائم رہے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ قرآن کریم مختلف مضامین کو متنوع اسالیب سے بیان کرتا ہے تاکہ ہر طبقے کے لوگ اسے سمجھ سکیں۔ یہ اس کی جامعیت اور اعجاز ہے، نہ کہ جدت کا فقدان۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا يَخْلُقُ عَلَىٰ كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ۔

ترجمہ: قرآن کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔

اعتراض 2: قرآن تدریجی نزول کی وجہ سے تغیر پذیر ہے

---

[1] کرم شاہ، ضیاء النبی، ج6، ص: 354

[2] ایضا

[3] ایضا

[4] سورۃ الاسراء: 89

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یہ اعتراض دراصل قرآن کے تدریجی نزول کی حکمت کو نظرانداز کرتا ہے۔ پیر کرم شاہ لکھتے ہیں :

قرآن کریم کا تدریجی نزول اس کی حکمت، فہم آسانی اور تربیتِ امت کی اعلیٰ مثال ہے۔ ہر دور، ہر مرحلے اور ہر صورتحال کے مطابق ہدایات دی گئیں تاکہ دلوں پر اثر زیادہ ہو اور امت عملی طور پر اس پر عمل کر سکے۔ قرآن کریم میں ہے :

﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا﴾[1]

ترجمہ :اور ہم نے اس قرآن کو الگ الگ کر کے اس لیے نازل کیا تاکہ تم اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سناؤ، اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾[2]

ترجمہ :ہم نے اسے اس طرح اس لیے نازل کیا تاکہ ہم اس کے ذریعے آپ کا دل مضبوط کریں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔

اس تدریج کا مقصد تربیت، فہم اور ایمان کو مستحکم کرنا ہے، نہ کہ اختلاف یا تضاد۔

اعتراض 3: قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ رسول ﷺ کی تصنیف ہے

پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ نے نہایت مضبوط دلائل سے یہ اعتراض رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :قرآن کریم ایک ایسا کلام ہے جو نہ صرف فصاحت و بلاغت میں انسانی طاقت سے ماوراء ہے، بلکہ اس کا اسلوب، انداز، غیب کی خبریں، اور اس کا معجزاتی پہلو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا چیلنج :

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾[3]

ترجمہ : کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن جیسا لانا چاہیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکتے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

یہ چیلنج آج تک قائم ہے اور کسی نے بھی اس کا جواب پیش نہیں کیا۔ سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں قرآن خود اعلان کرتا ہے :

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾[4]

ترجمہ : وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اگر قرآن نبی اکرم ﷺ کا کلام ہوتا تو اس میں خود آپ ﷺ کی سرزنش کی آیات کیوں ہوتیں؟ مثلاً :

---

[1] سورۃ الإسراء:106

[2] سورۃ الفرقان:32

[3] سورۃ الإسراء:88

[4] سورۃ النجم:3-4

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ۔ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ﴾[1]

ترجمہ: ترش رو ہوئے اور منہ موڑ لیا، کیونکہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

کوئی شخص خود اپنی سرزنش کی بات کبھی تحریر نہیں کرتا، جب تک کہ وہ اس کا مخاطب نہ ہو۔

4.5-مستشرکین کے نسخ فی القرآن پر اعتراضات:

مستشرقین نے قرآن کریم پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان میں ایک اہم اعتراض نسخ کے تصور پر ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ آیات کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب کسی جامع و کامل الٰہی نظام کی نمائندہ نہیں، بلکہ ایک تدریجی، انسانی اور وقتی تقاضوں کے مطابق ڈھلتی ہوئی تحریر ہے۔ وہ یہ وسوسہ پیدا کرتے ہیں کہ اگر قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو اس میں کسی حکم کو منسوخ کرنا یا کسی آیت کے مفہوم کو بعد میں بدل دینا اس کی کامل حیثیت کو مجروح کرتا ہے۔ مستشرقین نے اس اعتراض کو عقلی اور فکری بنیاد پر اس طرح پیش کیا کہ نسخ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا اور پھر بعد میں اُسی حکم کو بدل دیا، جس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اللہ کو ابتدا میں صحیح علم نہیں تھا؟ یا کیا اُس کے احکام میں ثبات و ابدیت نہیں ہے؟ مستشرق فلپ حتّی، گولڈزیہر اور آرتھر جیفری جیسے مغربی مفکرین نے قرآن کے نسخ پر اشکالات وارد کیے۔ گولڈزیہر لکھتا ہے:

> The doctrine of abrogation in the Qur'an is a clear sign of human development within the Islamic legislation, showing that rules were altered according to circumstances.[2]
>
> یعنی: قرآن میں نسخ کا عقیدہ اسلامی قانون سازی میں انسانی ارتقاء کی واضح علامت ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ احکام حالات کے مطابق تبدیل ہوتے رہے۔[3]

یہ اعتراض دراصل اسلام کے تشریعی نظام کو انسانی ساختہ ظاہر کرنے کی ایک کوشش ہے۔ مستشرقین کا کہنا ہے کہ ایک الٰہی کتاب میں تضاد نہیں ہونا چاہیے، اور ان کے نزدیک ناسخ و منسوخ کا پایا جانا تضاد یا تبدیلی کی علامت ہے، جو کسی آسمانی کتاب میں نہیں ہو سکتی۔ مگر اس اعتراض کی نوعیت درحقیقت اسلام کی اصل تعلیمات کو سمجھے بغیر کی گئی تنقید ہے۔ نسخ کا مطلب تضاد نہیں، بلکہ شریعت کا ارتقائی، تدریجی اور حکیمانہ انداز ہے، جیسا کہ پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ ضیاء النبی میں واضح کرتے ہیں: نسخ کا مقصد کسی حکم کو ختم کرنا نہیں بلکہ ایک مرحلہ وار تربیت اور تدریجی نفاذ کے ذریعے انسان کو اس کی فطری کمزوریوں کے ساتھ قابلِ عمل تعلیمات دینا ہے، جو عین حکمت ہے۔[4]

قرآن خود کہتا ہے:

---

[1] سورۃ عبس: 1-2

[2] MANUAL, A. "EXPLAINED TO MUSLIMS." (2005).

[3] ضیاء النبی، ص: 413

[4] ایضا

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[1]

ترجمہ :ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا اس جیسی
لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟

یہ آیت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ نسخ اللہ کے علم، قدرت اور حکمت کے تحت ہوتا ہے، نہ کہ کمزوری یا لاعلمی کے تحت۔ اس کا تعلق تشریعی مصالح سے ہے، یعنی کسی حکم کا متبادل دینا اس وقت کے حالات، انسانی ذہنوں کی تیاری اور سماجی تشکیل کے مطابق ہوتا ہے۔ پس مستشرقین کا نسخ پر اعتراض دراصل اسلام کی تشریعی حکمت اور قرآن کے تدریجی نفاذ کو نظر انداز کر کے محض ایک منطقی مغالطے پر مبنی ہے، جس کا مکمل علمی و عقلی رد قرآن و سنت اور علمائے اسلام نے دیا ہے۔

۔نسخ فی القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا علمی محاکمہ :

یقیناً، نسخ فی القرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا موضوع ایک نہایت نازک، علمی اور فکری پہلو رکھتا ہے۔ یہ اعتراض صرف قرآن کی فکری ساخت پر ہی نہیں بلکہ اس کی الٰہی ماخذ یت، ابدیت اور جامعیت پر بھی حملہ ہے۔ مستشرقین نے اپنے مخصوص عقلی اور مغربی تناظر میں قرآن کریم میں موجود ناسخ و منسوخ احکام کو تضاد یا ناقص قانون سازی کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے اعتراضات کا جائزہ اور پھر ان کا علمی، نقلی و عقلی رد نہ صرف قرآن کے فہم کو واضح کرتا ہے بلکہ اسلامی فکر کی حکمت کو بھی آشکار کرتا ہے۔ مستشرقین کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ قرآن کریم اگر بقول مسلمانوں کے، ایک مکمل، ابدی اور خدائی کتاب ہے، تو اس میں کسی حکم کا بعد میں کسی دوسرے حکم سے تبدیل کیا جانا ایک قسم کا ترمیم یا تضاد ہے۔ ان کے نزدیک ایک کامل اور حتمی کتاب میں کسی بھی حکم کو منسوخ کر دینا دراصل اس حکم کی کمزوری یا ناپختگی پر دلالت کرتا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر خدا علیم و حکیم ہے تو وہ ابتدا ہی میں ایسا حکم کیوں نہ نازل کرے جو ہمیشہ کے لیے قائم و دائم رہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک قرآن کے ناسخ و منسوخ احکام یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کلام انسانی ضرورتوں اور سیاسی و سماجی حالات کے مطابق ترقی کرتا رہا، اور یہی وصف اسے الٰہی ہونے سے دور کر دیتا ہے۔

نسخ کا اسلامی تصور

اسلامی اصولوں میں نسخ کا تصور نہ صرف واضح ہے بلکہ قرآن اور سنت سے ثابت شدہ ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں نسخ سے مراد یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کو کسی دوسرے شرعی حکم کے ذریعے منسوخ کر دیا جائے، یعنی اس پر عمل اٹھا لیا جائے، جبکہ دونوں احکام ایک ہی الٰہی مصدر سے ہوں۔ نسخ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پہلا حکم غلط تھا، بلکہ اصل نکتہ یہ ہے کہ ہر حکم اپنی مخصوص مدت، خاص صورتحال اور مخصوص حکمت کے ساتھ نازل ہوا تھا، اور جب اس کی ضرورت ختم ہوگئی یا اگلا مرحلہ آگیا تو اس کی جگہ ایک نیا حکم دے دیا گیا۔[2]

۔قرآن مجید میں نسخ کا اقرار

نسخ کا تصور خود قرآن کریم میں بیان ہوا ہے :

---

[1] سورۃالبقرہ:106

[2] ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, Muhammad. "Kitab al-Jami al-sahih/Kitab al-Sahih/Kitab Sahih al-Bukhari The Correct Collection/Book of the Correct [Traditions]/al-Bukhari's Book of Correct [Traditions] کتاب الجامع الصحیح/کتاب الصحیح/کتاب صحیح البخاری." *A Descriptive Catalogue of Oriental Manuscripts at St John's College, Oxford* (2005): 74.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[1]

ترجمہ :ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟

اس آیت سے ثابت ہے کہ نسخ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا مظہر ہے۔ یہ کوئی خامی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل اور تدبیر کا نتیجہ ہے۔ ایک حکم کسی مخصوص دور، کیفیت یا سطحِ تربیت کے لیے ہوتا ہے، جب وہ دور مکمل ہو جاتا ہے تو اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سنت اور نسخ

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نسخ کا مظاہرہ کئی احکام میں ہوا، جیسے :

1. **قبلہ کی تبدیلی :**

پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ مقرر فرما دیا۔

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾[2]

ترجمہ :ہم بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور آپ کو اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔

2. **شراب کی حرمت :**

جیسے پچھلے جواب میں بیان ہوا، شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی۔ ابتدائی مرحلے میں صرف اس کے نقصانات بیان کیے گئے، پھر نماز کے قریب نشے کی حالت میں آنے سے منع کیا گیا، اور آخر کار مکمل حرمت کا حکم دے دیا گیا۔

یہ تدریجی انداز نہ صرف انسانی طبیعت کے مطابق ہے بلکہ اس سے شریعت کی حکمت بھی آشکار ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، بلکہ ان کی تربیت تدریجاً فرماتا ہے۔

۔عقلی دلائل

1. **تربیت کا اصول :**

انسانی نفسیات اور سماجی ارتقاء کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز کو ایک دم لاگو نہ کیا جائے۔ تعلیمی اور تربیتی نظام بھی تدریج پر قائم ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فوراً شراب کو حرام کر دیا ہوتا تو وہ قوم جو شراب کی عادی تھی، اس کو ترک کرنا ان کے لیے انتہائی دشوار ہوتا۔ اس لیے تدریجاً نسخ کی صورت میں ان کی تربیت کی گئی۔

2. **حکمت اور مصلحت :**

ایک حکم کا نسخ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ کوئی ایسا حکم دیا جو زیادہ فائدہ مند، موزوں اور عملی ہے۔ نسخ تبدیلی برائے تبدیلی نہیں بلکہ **تبدیلی برائے بہتری** ہے۔

3. **علمِ الٰہی کا مظہر :**

---

[1] سورۃالبقرہ:106

[2] البقرہ:144

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

نسخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر زمانے، قوم اور صورتحال کے مطابق بہترین حکم دینا آتا ہے۔ یہ بات اس کے علم کامل اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے، نہ کہ کمزوری کی۔[1]

۔علماء اسلام کا مؤقف

امام سیوطی رحمہ اللہ الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

النسخُ لا ینافی الحکمۃ، بل ھو من اُدلتھا، لاَنّ الاَحوال تختلف، والمصالح تتجدّد، فیاَتی الحکم حسب المصلحۃ[2].

ترجمہ: نسخ حکمت کے منافی نہیں، بلکہ اس کی دلیل ہے، کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں، اور مصالح نئے ہو جاتے ہیں، اس لیے حکم بھی مصلحت کے مطابق آتا ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری ضیاء النبی جلد ششم میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر نسخ نہ ہوتا تو شریعت جامد ہو جاتی، اور انسانی زندگی کی بدلتی ضروریات سے ہم آہنگ نہ رہتی۔ نسخ وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے شریعت ہر دور کی رہنمائی کے قابل رہتی ہے۔[3]

۔مستشرقین کی غلط فہمی

مستشرقین نے نسخ کو تضاد یا ترمیم سمجھا، جبکہ اسلامی اصولوں کے مطابق نسخ نہ صرف شریعت کی روح سے مطابقت رکھتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت، علم اور قدرت کی علامت ہے۔ انہوں نے قرآن کو ایک جامد اور ساکن قانون سمجھ کر اس میں تبدیلی کو بشری سمجھا، جبکہ قرآن ایک زندہ، متحرک، اور فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ کتاب ہے۔

۔مستشرقین کے سنت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا علمی محاکمہ ضیاء النبی کی روشنی میں

اعتراض 1:

مستشرقین نے سنتِ نبویہ ﷺ پر متعدد اعتراضات کیے ہیں جن کا بنیادی مقصد اسلامی شریعت کی اصل بنیادوں کو متزلزل کرنا اور دین اسلام کے عملی پہلو کو مشکوک بنانا ہے۔ ان اعتراضات میں بعض فکری، بعض تاریخی اور بعض عملی نوعیت کے ہیں۔ تین بڑے اعتراضات درج ذیل ہیں جنہیں مستشرقین نے بار بار دہرایا اور اپنی تحریروں میں بنیاد بنایا۔ پہلا بڑا اعتراض یہ ہے کہ سنت کا کوئی مستقل ماخذ یا منظم طریقۂ نقل موجود نہیں، اس لیے اسے شریعت کا مستقل اور معتبر ماخذ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مستشرقین کے مطابق قرآن تو محفوظ

---

[1] ڈاکٹر حشمت علی صاحب "مولانا حسین علی کا تصور نسخ فی القرآن." *Bannu University Research Journal in Islamic Studies (BURJIS)*,11 no. 2.(2024)

[2] علی، نزاکت، محمد نعمان، اور محمد زاہد۔ "البرہان فی علوم القرآن اور الاتقان فی علوم القرآن: منہجی و تقابلی مطالعہ۔" دی انٹرنیشنل ریسرچ جرنل آف اُصول الدین 4، شمارہ 2(2020): صفحات 117 تا 128۔

[3] ضیاء النبی، ج 6، ص: 412

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حالت میں موجود ہے لیکن سنت مختلف افراد کی روایت کردہ اقوال و افعال کا مجموعہ ہے، جن میں اختلاف، تکرار، اور تضاد پایا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک سنت کو نقل کرنے والے انسان تھے جو بھول چوک، ذاتی رجحانات، اور وقتی حالات سے متاثر ہو سکتے تھے۔ اسی بنیاد پر وہ سنت کو ظنی الثبوت، غیر یقینی اور ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ دین کی بنیاد ایسی چیز پر نہیں رکھی جا سکتی جو سو فیصد یقینی نہ ہو۔ اس اعتراض میں سنت کی اصل حجیت ہی کو مشکوک بنایا گیا ہے اور اسے دینی احکام کے لیے ناقابلِ بنیاد قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ [1]

اعتراض 2:

دوسرا اعتراض مستشرقین کی طرف سے یہ پیش کیا جاتا ہے کہ سنت دراصل بعد کے ادوار میں تشکیل دی گئی، تاکہ بعض فقہی یا سیاسی نظریات کو تقویت دی جا سکے۔ ان کے مطابق سنت کا بڑا حصہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کے حالات، فکری رجحانات، اور اجتماعی ضرورتوں کی پیداوار ہے۔ مستشرقین کا کہنا ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر نے اپنی فقہی آراء کو تقویت دینے کے لیے نبی کریم ﷺ سے منسوب اقوال اور افعال مرتب کیے اور انہیں سنت کا درجہ دے دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف اور متضاد سنتیں اس بات کی علامت ہیں کہ ان میں بعد ازاں ملاوٹ کی گئی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ سنت کی کتب کو جمع کرنے والے محدثین نے بھی بعض اوقات تعصب، فرقہ واریت، یا اپنے فہم کو ترجیح دی، جس کی وجہ سے سنت کا اصل چہرہ واضح نہیں رہا۔ اس اعتراض میں سنت کے تاریخی پس منظر کو منفی رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور محدثین کی دیانت اور تحقیق پر سوال اٹھایا گیا ہے۔

اعتراض 3:

تیسرا بڑا اعتراض سنت کے تشریعی مقام پر کیا جاتا ہے۔ مستشرقین کے نزدیک شریعت کے لیے صرف قرآن کافی ہے اور سنت کو اس میں دخیل کرنا دین میں اضافہ تصور ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرآن مکمل ہدایت ہے تو پھر سنت کی ضرورت ہی کیوں باقی رہتی ہے؟ ان کے مطابق قرآن نے اپنے آپ کو تبیاناً لکل شیء قرار دیا ہے، اس لیے کوئی اور ذریعہ ہدایت ضروری نہیں۔ مستشرقین یہاں یہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اور ان کے قول و فعل کو دین کا حصہ مانا ہے۔ تاہم ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے سنت کی حیثیت ایک زائد اور غیر ضروری چیز کی ہے، جو کبھی کبھی قرآن کی مخالفت بھی کرتی ہے یا اس سے زائد احکام دیتی ہے، لہٰذا تشریع میں سنت کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس موقف کے ذریعے مستشرقین اسلام کے عملی ڈھانچے کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے قانونی نظام کو غیر مؤثر بنانے کا مقصد رکھتے ہیں۔ [2]

1- سنت پر اعتراضات کا علمی محاکمہ [3]

مذکورہ اعتراض بظاہر علمی محسوس ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ اسلام کے علمی ذخیرے، امتِ مسلمہ کی تاریخ، اور علومِ حدیث کے اصولی ڈھانچے سے شدید لاعلمی یا جانبداری پر مبنی ہے۔ سنتِ نبویہ کی حفاظت، نقل، تدوین اور حجیت ایک ایسا مضبوط علمی عمل ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی اور تہذیب یا مذہب میں نہیں ملتی۔ اس اعتراض کا جواب تفصیل سے درج ذیل نکات کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے:

ا۔ سنت کی حفاظت کا وعدہ قرآنِ مجید میں موجود ہے

---

[1] ضیاءالنبی، ج7، ص:30

[2] ضیاءالنبی، ج7، ص:200

[3] ضیاءالنبی، جلد7 مطالعہ کے لئے دیکھئے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

قرآنِ مجید نے جہاں اپنی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، وہیں نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو بھی ایمان کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[1]

اور رسول تمھیں جو کچھ دے دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر (یعنی سنت دین کا جزوِ لازم ہے۔ اگر سنت غیر معتبر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی پیروی کا حکم نہ دیتا۔ لہٰذا جب قرآن خود سنت کو لازم قرار دے رہا ہے، تو یہ اس کی حجیت اور حفاظت دونوں کا بین ثبوت ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے سنت کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام فرمایا

یہ تصور کہ سنت بغیر کسی نظام کے منتقل ہوئی، محض دعویٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال کو اپنے صحابہ کے سامنے اس انداز سے پیش فرمایا کہ وہ صرف عمل کرنے والے نہ رہے بلکہ ناقلینِ علم بھی بن گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

نَضَّرَ اللَّهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ[2]

اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی، پھر اسے اسی طرح آگے پہنچایا جیسے اس نے سنی۔

یہ حدیث ایک واضح ہدایت ہے کہ سنت کو محض سمجھ کر اپنے لیے عمل میں لانا ہی کافی نہیں، بلکہ اسے صحیح طریقے سے دوسروں تک پہنچانا بھی دینی فریضہ ہے۔ یہی اصول صحابہ کرامؓ کی پوری زندگی میں نظر آتا ہے۔[3]

۳۔ صحابہ کرامؓ کی غیر معمولی احتیاط اور امانت داری

سنت کے سب سے پہلے ناقل صحابہ کرامؓ تھے، جن کی دیانت، صداقت، اور دینی حمیت پر دنیا بھر کے مؤرخین متفق ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت انسؓ، اور دیگر صحابہ نے احادیث کو یاد بھی رکھا، نقل بھی کیا، اور ان کے فہم کے مطابق ان پر عمل بھی کیا۔

یہ محض زبانی روایت نہیں تھی، بلکہ عملاً سنت ان کے وجود میں رچی بسی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا معمولی سا عمل بھی نبی کریم ﷺ کی سنت سے ہٹ کر نہ ہوتا۔ یہی حالت دیگر صحابہ کی بھی تھی۔ چنانچہ سنت محض روایت نہیں بلکہ مجسم عمل کی صورت میں امت میں منتقل ہوئی۔[4]

۴۔ سنت کا کتابت کے ذریعے محفوظ ہونا

یہ کہنا کہ سنت کو صرف صدیوں بعد تحریر میں لایا گیا، تاریخی لحاظ سے درست نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی بعض صحابہ نے احادیث کو تحریری شکل میں محفوظ کیا۔ سب سے معروف مثال حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ہے، جنہیں نبی کریم ﷺ نے حدیث لکھنے کی باقاعدہ اجازت دی:

---

[1] الحشر:7

[2] سنن الترمذي، رقم:2657

[3] ڈاکٹر سہیل حسن۔ "تاریخ حفاظت حدیث واصول حدیث (مع منتخبات حدیث)۔" فکرونظر *FIKR-O NAZAR*, 38 no. 1 (2000): 115-117.

[4] ڈاکٹر حمید اللہؒ۔ "حدیث نبوی کی تدوین وحفاظت۔" فکرونظر *FIKR-O NAZAR*, 4041 no. 4-1 (2003): 517-573.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اُكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ [1]

لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس (زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ کتابتِ حدیث کا آغاز خود عہدِ نبوی میں ہو چکا تھا۔ بعد کے ادوار میں محدثین نے اسے باقاعدہ فن کی شکل دی اور تدوینِ حدیث کا عظیم الشان ذخیرہ تیار کیا۔[2]

۔ فنِ اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کا عظیم الشان نظام

اسلامی علوم میں ایک مستقل فن علم الرجال ہے، جس میں ہر راوی کی سوانح، سچائی، یادداشت، عقیدہ، عمل، اور ملاقاتیں (لقاء و سماع تک تحقیق کی جاتی ہے۔ یہ نظام اس بات کا ثبوت ہے کہ احادیث و سنت کو بغیر چھان بین کے قبول نہیں کیا گیا۔ ہر روایت کو سند کے ساتھ جانچا گیا اور پھر درجۂ صحت متعین کیا گیا۔

محدثین نے ایک روایت کے قبول یا رد کے لیے جو معیار مقرر کیے، وہ دنیا کی کسی اور علمی روایت میں موجود نہیں۔ امام بخاریؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سینکڑوں احادیث کو صرف اس لیے رد کر دیتے تھے کہ راوی کی یادداشت میں کمی تھی، یا اس کا ثقہ ہونا مشکوک تھا، اگرچہ وہ راوی نیک انسان ہوتا۔

۶۔ سنت کی عملی تواتر کے ساتھ منتقلی

سنت صرف کتب کی محتاج نہیں بلکہ امت میں عملی طور پر بھی تواتر کے ساتھ منتقل ہوئی ہے۔ نماز، روزہ، حج، اذان، نکاح، جنازہ، کھانے پینے کے آداب، لباس، معاملات — یہ سب وہ امور ہیں جو پوری امت نے نسل در نسل نقل کیے ہیں۔ ان کی صحت و ثبوت کسی سند کی نہیں بلکہ عملی تواتر کی محتاج ہے، جو کہ ایک ناقابلِ انکار حجت ہے۔

۷۔ مستشرقین کا معیار خود متضاد ہے

یہ اعتراض کرنے والے مستشرقین خود ایسے مورخین اور ماہرین ہیں جو سیکڑوں سال بعد لکھی گئی انجیلوں، یونانی فلسفے، یا رومن تاریخ کو بغیر شک و شبہ کے قبول کرتے ہیں، جن میں نہ کوئی سند ہے، نہ کوئی علمی چھان بین کا طریقہ، اور نہ ہی راویوں کے حالات کا علم۔ لیکن جب بات اسلام اور سنت کی آتی ہے تو وہ ایک ایسے منظم، مستند اور سائنسی طرز کے علم کو بھی رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو انتہائی غیر منصفانہ طرزِ فکر ہے۔

2-حدیث مبارکہ بعد کے ادوار میں لکھی گئیں ہیں : علمی محاکمہ

اوّل : حدیث گھڑنے کا امکان تسلیم کرنا، تمام حدیث کو غیر معتبر نہیں بنا دیتا

یہ حقیقت ہے کہ تاریخِ اسلام میں بعض افراد نے جھوٹی احادیث گھڑنے کی کوشش کی، جن کے مختلف اسباب (مثلاً سیاسی مفاد، فرقہ واریت، یا جذباتی عقیدت تھے۔ لیکن محدثین نے ان کوششوں کو بروقت پہچان لیا اور ان کی روک تھام کے لیے **علم الجرح والتعدیل**، **علم الاسناد**، اور **علم الرجال** جیسے دقیق فنون کی بنیاد رکھی۔ ان علوم کے ذریعے ہر حدیث کی سند، ہر راوی کی شخصیت، حافظہ، دیانت، اور زمانہ و مقام تک کی چھان بین کی گئی۔ جھوٹی اور موضوع روایات کو **موضوع** یا **ضعیف** قرار دے کر جدا کیا گیا، اور صحیح احادیث کو الگ کیا گیا۔امام ابن معینؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام نسائیؒ، امام ابن عدیؒ، اور امام ابن حجرؒ جیسے محدثین نے اس قدر باریک بینی

---

[1] سہیل حسن۔ "سنن ابی داؤد کی شروح اور حواشی۔" فکر و نظر FIKR-O NAZAR 35, no. 1 (1997): 3-12.

[2] سید عمر شریف۔ "مراجعة كتاب: السنة النبوية بين أهل الفقه... وأهل الحديث۔" AL-WASAṬIYYAH 1, no. 1 (2022): 132-138.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

سے احادیث کا جائزہ لیا کہ کسی روایت کی غلطی معمولی اختلاف کی صورت میں بھی واضح ہو جاتی۔ چنانچہ اگر کسی دور میں جھوٹی روایات بیان ہوئیں تو یہ اسلام کے نظامِ روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس نظام کی کامیابی کی علامت ہے کہ اس نے باطل کو الگ کر کے حق کو باقی رکھا۔[1]

دوم: محدثین نے ہر روایت کو اس کے تاریخی، سماجی اور فقہی سیاق میں پرکھا

محدثین صرف الفاظ کی روایت پر قناعت نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ احادیث کے معنی، مقصد، اور ان کے تاریخی حالات کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔ اگر کوئی روایت کسی خاص فقہی یا سیاسی گروہ کی حمایت میں بیان کی گئی اور وہ اس سے قبل کسی معتبر سند یا معروف راوی سے منقول نہ ہو، تو اسے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔

مثلاً اگر کوئی ایسی حدیث بیان کی گئی جو صرف خوارج یا شیعہ عقائد کی تائید کرتی تھی، تو محدثین اس کی سند اور راویوں کی دیانت کا باریک بینی سے تجزیہ کرتے اور اکثر ان احادیث کو موضوع قرار دیتے۔ یہ بات اس حقیقت کا اظہار ہے کہ محدثین کسی بھی نظریے کو بلا تحقیق حدیث کا لباس پہنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہ طرزِ تحقیق خود اس اعتراض کا مکمل علمی رد ہے۔[2]

سوم: سنت کی تواتر اور شہرت پر مبنی روایات فرقہ وارانہ اثرات سے پاک ہیں

اسلام کے اکثر اہم مسائل اور احکام ان احادیث سے ماخوذ ہیں جو **متواتر** یا **مشہور** روایتوں کی صورت میں امت میں رائج رہیں، جیسے:

- نماز کے طریقے
- روزہ، زکوٰۃ، حج کے اعمال
- اذان، نکاح، طلاق، جنازہ وغیرہ کے احکام

ان تمام امور میں فرقہ واریت یا سیاسی رجحانات کی مداخلت نہ ممکن تھی اور نہ ہے۔ ان کا عملاً امت میں رائج ہونا ان کی صحت اور اصل ماخذ (سنت نبویؐ) کو ثابت کرتا ہے۔

چہارم: قرآن مجید کی توضیح و تبیین کے لیے سنت ناگزیر ہے

اگر سنت کو فرقہ وارانہ یا سیاسی پس منظر کا حامل قرار دے کر مسترد کیا جائے تو خود قرآن کے بہت سے احکام ناقابلِ فہم ہو جائیں گے۔ مثلاً قرآن مجید نماز کا حکم دیتا ہے لیکن اس کا طریقہ، رکعات کی تعداد، سجدہ، رکوع، قراءت کی ترتیب، وغیرہ سنت سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ اگر سنت کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا جائے تو دین کا پورا عملی نظام منہدم ہو جاتا ہے، جو نہ صرف غیر معقول ہے بلکہ امت کی چودہ سو سالہ عملی روایت کی توہین ہے۔[3]

پنجم: مستشرقین کی اپنی علمی بنیاد کمزور ہے

مستشرقین کا اعتراض اکثر **ظنّی قیاس** اور **مفروضوں** پر قائم ہوتا ہے، جس میں کسی معتبر اسلامی مصدر، محدث یا محقق کی رائے کو شامل نہیں کیا جاتا۔ ان کا انحصار مخصوص مفروضوں پر ہوتا ہے، جیسے تمام روایات سیاسی اثر کا نتیجہ ہیں یا سنت کو اصل نہیں ماننا چاہیے۔ ان

---

[1] Shafi, Mohammad. The HADITH-How it was Collected and Compiled. 2017.

[2] Mahdavirad, Muhammad Ali. *History of Hadith Compilation*. ICAS Press, 2017.

[3] El-Ali, Leena, and Leena El-Ali. "Hadith Content." *No Truth Without Beauty: God, the Qur'an, and Women's Rights* (2022): 19-31.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مفروضوں کے پیچھے وہی مغربی تنقیدی نظریات ہیں جو وحی، نبوت، یا مذہبی تجربے کو تسلیم نہیں کرتے۔ جب کہ اسلامی فکر وحی پر یقین رکھتی ہے، اور اس کے علم کی بنیاد **تقویٰ، دیانت، اور نقلِ صحیح** پر ہے، نہ کہ محض انسانی عقل پر۔[1]

3-سنت مبارکہ کا تشریعی مقام ثابت نہیں ہے: علمی محاکمہ[2]

وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[3]

اور جو کچھ رسول تمہیں عطا کریں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔

یہاں رسول کی اطاعت کو مکمل اور غیر مشروط انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا کہ جو کچھ قرآن دے، وہ لے لو بلکہ فرمایا: جو کچھ رسول دے، وہ لے لو۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ السُّنَّةَ كَالْقُرْآنِ فِي الْوُجُوبِ وَالتَّحْرِيمِ وَالتَّكْلِيفِ[4]

یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ سنت بھی وجوب، حرمت اور دینی تکلیف میں قرآن کی مانند ہے۔

پس سنت کا تشریعی درجہ قرآن سے الگ نہیں بلکہ قرآن کے دائرہ ہی میں آتا ہے۔

"رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے"

قرآن کہتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ[5]

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ لازم و ملزوم کر دیا ہے۔ اگر رسول ﷺ کی بات قرآن سے الگ ہو تو بھی وہ اطاعتِ الٰہی کے دائرے میں شمار ہوگی۔ اسی لیے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ جو رسول قرآن کے مطابق کہے، وہ مانو، بلکہ ہر حال میں رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا۔

"رسول تشریح کرتا ہے، تشریع بھی"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنے کی غرض یہ بیان کی:

---

[1] Shinta Ilahi, Nurul Anggraeni, Nurwahidin Nurwahidin, and Mohammad Izdiyan. "The Concept of Hadith, Meaning, and Position of Hadith, Implementation and Comparison in Hadith Learning Application: Hadith Encyclopedia and Hadith Collection." *Journal Of Middle East and Islamic Studies* 10, no. 1 (2023): 6.

[2] دیکھیے ضیاء النبی جلد 7

[3] الحشر: 7

[4] Safdar, Muhammad ."تجارت اور سود کے احکام: تفسیر قرطبی و تفسیرات احمدیہ کی روشنی میں قرآنی مطالعہ." *Al-Kashaf*,2 no. 1 (2022): 17-29.

[5] النساء: 80

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ[1]

اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

یہاں تبیین (وضاحت و تشریح کا عمل خود نبی ﷺ کے ذمے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کا ہر حکم تفصیلی نہیں، بہت سے احکام اجمالی انداز میں دیے گئے ہیں، جن کی عملی وضاحت سنت کے بغیر ممکن نہیں۔

مثلاً:

- قرآن میں نماز کا حکم ہے، مگر رکعات، اوقات، اذکار اور کیفیت کا ذکر نہیں — یہ سب سنت سے ملتا ہے۔
- قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ہے، مگر شرح، نصاب، مال کی اقسام — سنت نے بیان کیں۔
- قرآن میں حج کرو کہا گیا، مگر منیٰ، عرفات، رمی، طواف — یہ سب تفصیلات سنت سے آتی ہیں۔

اگر سنت نہ ہو تو قرآن کا عملی نظام نامکمل رہ جاتا ہے۔

"سنت سے قرآن کو سمجھنے کا طریقہ خود صحابہ کا تعامل رہا ہے"

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

إذا أردتم أن تقتدوا فاقتدوا برسول الله ﷺ، فإنه كان خير هذه الأمة، وأصدقها لسانا، وأقومها هديا[2].

اگر تمہیں کسی کی پیروی کرنی ہو تو رسول اللہ ﷺ کی کرو، کیونکہ وہ اس امت کے سب سے بہتر، سب سے سچے اور سب سے سیدھے طریق پر تھے۔

ما سن رسول الله ﷺ فهو مما افترض الله، فمن قبل عن رسول الله ﷺ فبفضل، ومن تركه عن رسول الله ﷺ فبحجة قامت عليه من الله[3].

رسول اللہ ﷺ کی سنت وہی ہے جو اللہ نے فرض کی ہے۔ جو اسے قبول کرے، وہ فضل پائے، اور جو ترک کرے، تو اللہ کی طرف سے اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

من رد حديث رسول الله ﷺ، فهو على شفا هلاك.

جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کرے، وہ ہلاکت کے دہانے پر ہے۔

یہ اقوال صرف انفرادی آراء نہیں بلکہ امت کے اجماعی موقف کی نمائندگی کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی پر مستشرقین کے اعتراضات کا ضیاء النبی کی روشنی میں علمی محاکمہ

1- پہلا اعتراض: تعدد ازواج

تعددِ ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کا معاملہ اسلامی تعلیمات کے تناظر میں ایک جائز اور حکمت پر مبنی عمل ہے، مگر مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کو بالخصوص نشانہ بناتے ہوئے یہ اعتراض اٹھایا کہ آپ ﷺ نے کئی شادیاں کیوں کیں؟ ان کے نزدیک یہ عمل محض نفسانی خواہشات کی تسکین کے لیے تھا۔ وہ اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی سراسر

---

[1] النحل: 44

[2] چشتی، احسان اللہ۔ "المصنف لابن أبی شیبہ میں ابراہیم نخعی کے مذکورہ فقہی اقوال کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ (کتاب الطہارت سے آخر کتاب الزکوۃ تک)۔" ایکٹا اسلامیکا 10، شمارہ 02 (2022): صفحات 12 تا 25۔

[3] ڈاکٹر حشمت بیگم، ڈاکٹر جنید اکبر۔ "مشہور روایت 'ابن آدم ترید و أرید' کی تخریج اور علمی مطالعہ۔" السراج 29، شمارہ 2 (2014): صفحات 49 تا 60۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حکمت، مصلحت اور دعوتی تقاضوں پر مبنی تھی، اور آپ ﷺ نے جو شادیاں کیں وہ ذاتی نہیں بلکہ دینی، سماجی، سیاسی اور اخلاقی مقاصد کی تکمیل کے لیے تھیں۔

مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ اگر نبی اکرم ﷺ ایک نبی تھے اور آپ کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی تو پھر آپ کو اتنی زیادہ شادیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ چونکہ اسلام نے عام مسلمانوں کو ایک وقت میں چار بیویوں کی اجازت دی ہے، تو نبی ﷺ کو اس عمومی اصول سے استثناء کیوں حاصل ہوا؟ وہ اسے انصاف کے اصول کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں نبی ﷺ کا متعدد ازواج سے نکاح کرنا صرف ایک عام انسانی خواہش یا طاقت کا اظہار تھا، جس کا مذہبی یا اخلاقی پہلو نہیں تھا۔

مزید یہ کہ مستشرقین اس بات پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی بیویاں مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں، جسے وہ محض سیاسی جوڑ توڑ کا نام دیتے ہیں۔ ان کے مطابق نبی ﷺ نے مختلف قبائل کی خواتین سے نکاح اس لیے کیے تاکہ انہیں اپنے زیرِ اثر لایا جا سکے، اور ان کی ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ وہ اس حکمت کو دینی ضرورت کی بجائے سیاسی مصلحت کہتے ہیں، اور اس بنا پر نبوت کے کردار کو مشتبہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شادیاں عورتوں پر اثر ورسوخ قائم کرنے کے لیے تھیں تاکہ وہ مردوں پر بالواسطہ اثر ڈال سکیں۔

مستشرقین کے ان اعتراضات میں ایک اور پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی ازواج کی تعداد کو عام انسانوں کی زندگیوں سے تشبیہ دے کر اخلاقی معیار پر پرکھتے ہیں، حالانکہ نبی کی زندگی کا ہر پہلو ایک مخصوص مقصد، وحی کی رہنمائی اور خدا کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ مگر مستشرقین ان روحانی اور اخلاقی جہات سے عاری ہو کر محض مادی اور جذباتی زاویے سے دیکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی کو بھی دنیاوی تناظر میں محدود کر دیتے ہیں۔ یہی نکتہ ان کے اعتراضات کو کمزور بنیادوں پر کھڑا کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے مختلف کتابوں، لیکچرز اور مضامین میں اس اعتراض کو دہرا کر شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔[1]

مسئلہ تعدد ازواج میں مستشرقین کا ضیاء النبی کی روشنی میں علمی محاکمہ[2]

تعددِ ازدواج کے مسئلے پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی بنیاد لاعلمی، تعصب اور اسلامی معاشرتی اقدار کے فہم کی کمی پر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ اگر غیر جانبداری، دیانت اور تاریخی سیاق و سباق کو ملحوظِ خاطر رکھ کر کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام شادیاں محض شخصی خواہشات کا نتیجہ نہیں بلکہ دینِ اسلام کی اشاعت، دعوتِ دین کی وسعت، معاشرتی مصلحت، قبائلی مفاہمت، اخلاقی اصلاح اور معاشرتی پناہ کے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لیے تھیں۔

ابتدائی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کا طویل ترین حصہ صرف ایک بیوی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارا۔ آپ ﷺ نے پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو کہ چالیس برس کی تھیں اور جب تک وہ حیات رہیں آپ ﷺ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ یہ عرصہ تقریباً پچیس سال پر مشتمل ہے اور اس میں آپ ﷺ کا طرزِ حیات، خاندانی زندگی اور کردار، غیر معمولی وفاداری اور عفت کا مظہر ہے۔ اگر ازدواجی تعلق محض شہوت پر مبنی ہوتا تو کیا ایک جوان مرد جو جسمانی و روحانی اعتبار سے مکمل صحت مند ہو، وہ اتنے طویل عرصے تک صرف ایک معمر خاتون پر اکتفا کرتا؟ یہ وہ پہلا تاریخی ثبوت ہے جو مستشرقین کے اعتراض کی بنیاد کو ہلا دیتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب نبی ﷺ کی ازدواجی زندگی میں تنوع آیا تو اس کی ابتدا حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح سے ہوئی۔ حضرت سودہؓ ایک بیوہ اور عمر رسیدہ خاتون تھیں، جبکہ حضرت عائشہؓ سے نکاح کا

[1] ضیاءالنبی،ج5،ص:984-994

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

فیصلہ وحی کے ذریعے کیا گیا، جس کی وضاحت امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے۔ متعدد ازواج سے نکاح کا آغاز مدنی دور میں ہوا، جب نبی کریم ﷺ نہ صرف مذہبی پیشوا تھے بلکہ ریاستِ مدینہ کے حکمران، قاضی، سپہ سالار، معلم اور مبلغ بھی تھے۔ آپ ﷺ کی ہر شادی کا مقصد دینی و اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنا تھا نہ کہ نفسانی خواہشات کی تسکین۔ پیر کرم شاہ الازہریؒ نے ''ضیاء النبی'' میں اس نکتے کو بڑی خوبی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> ''رسول اللہ ﷺ کی ہر ازدواجی نسبت ایک خاص حکمت اور مصلحت کے تحت تھی۔ اگر ان نکاحوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی محض ذاتی رغبت یا جسمانی لذت کے لیے نہیں تھی، بلکہ ان کا پس منظر دعوتِ دین، فکری ہم آہنگی، معاشرتی اصلاح اور سیاسی مفاہمت پر مبنی تھا۔[1]''

نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سے اکثر بیویاں بیوہ تھیں یا عمر رسیدہ۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کو ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا، کیونکہ وہ غربا و مساکین کی کفالت کیا کرتی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ سب وہ خواتین تھیں جنہوں نے زندگی کے سخت ترین لمحات گزارے، اور نبی ﷺ نے ان سے نکاح فرما کر نہ صرف انہیں عزت و مقام دیا بلکہ ایک معاشرتی پیغام دیا کہ اسلام عورت کو تحفظ اور وقار عطا کرتا ہے۔[2]ان نکاحوں کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ ان کے ذریعے اسلام کو مختلف قبائل اور قوموں میں رسائی ملی۔ حضرت جویریہؓ کا تعلق قبیلہ بنو مصطلق سے تھا، جن کے ساتھ جنگ کے بعد مسلمان قیدی بنائے گئے۔ جب نبی ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح فرمایا تو صحابہ نے ان کے قبیلے کے باقی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح حضرت صفیہؓ کا تعلق بنی نضیر سے تھا، اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ سے واپس آئیں، جن کا نکاح نجاشی کے توسط سے ہوا۔ یہ تمام نکاح دینی سفارت کاری کے شاندار نمونے تھے جن کا مقصد مختلف اقوام و قبائل کو قریب لانا اور اسلام کی اخلاقی طاقت سے روشناس کرانا تھا۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کا معاملہ تو قرآن کریم میں واضح طور پر مذکور ہے۔ یہ نکاح اس لیے کیا گیا تاکہ عرب معاشرے میں متبنٰی (منہ بولا بیٹا کے ساتھ نکاح کی ممانعت کو ختم کیا جا سکے اور حقیقی رشتوں کا تعین ہو سکے۔ اس نکاح کی وضاحت سورہ احزاب میں ان الفاظ میں کی گئی :

''فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا[3]''

یعنی جب زیدؓ نے اپنی بیوی سے تعلق منقطع کر لیا تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنین پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج باقی نہ رہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں نبی کریم ﷺ اپنی ذات کو دینی حکم کی عملی تعبیر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ نکاح نہ ہوتا تو معاشرہ ہمیشہ کے لیے ایک باطل تصورِ نکاح میں الجھا رہتا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلام میں نبی کریم ﷺ کو عام مسلمانوں سے جدا خصوصیات حاصل تھیں، جن میں سے ایک نکاح کی تعداد بھی تھی۔ قرآنِ کریم نے اس تخصیص کو واضح کیا ہے :

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ[4]''...

---

[1] ضیاء النبی، جلد ۴، صفحہ ۳۱۲

[2] ایضاً

[3] الاحزاب: ۳۷

[4] الاحزاب: ۵۰

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یعنی: ''اے نبی! بے شک ہم نے تمہارے لیے تمہاری وہ بیویاں حلال کر دیں جنہیں تم نے مہر دیا۔''
یہ آیت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی عام انسانوں کی طرح نہ تھی، بلکہ آپ ﷺ کی ہر ادا وحی کے تابع اور ہر عمل امت کے لیے ہدایت تھا۔ مستشرقین کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی شادیاں محض نفسانی خواہشات کا نتیجہ تھیں، خود ایک فکری تضاد کا شکار ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ اپنی جوانی کے زمانے میں متعدد شادیاں کرتے، نہ کہ بڑھاپے میں، جب کہ جسمانی طور پر انسان ان کے جذبات میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی عمریں بھی متفرق تھیں، اور اکثر بیوہ تھیں۔ اگر مقصد محض جمالیاتی یا نفسانی ہوتا تو صرف کنواری اور کم عمر خواتین کو شریکِ حیات بنایا جاتا، جو کہ تاریخی طور پر غلط ہے۔
پیر کرم شاہ الازہریؒ اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

> ''نبی اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کا ہر گوشہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ ان بیویوں کے ذریعے آپ ﷺ نے مختلف طبقاتِ نسواں کو اسلام کے آدابِ خانہ داری، طہارت، حجاب، معاملات، عبادات اور اخلاق سکھائے۔ اگر یہ بیویاں نہ ہوتیں تو امت کو ان شعبوں میں رہنمائی کیسے ملتی؟[1]''
>
> ان ازواجِ مطہرات کے ذریعے آپ ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کا ایک ادارہ قائم کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:
>
> ''نبی ﷺ کی ازواج میں سے کوئی مسئلہ سمجھ نہ پاتی تو وہ مجھ سے آ کر پوچھتی، اور میں اسے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں بتاتی۔''

ان تمام نکات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستشرقین کا اعتراض نہ صرف علمی دیانت سے عاری ہے بلکہ تاریخی اور عملی حقائق کے بر خلاف بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی اس قدر پاکیزہ، باوقار، اور مقصدی ہے کہ اسے نفس پرستی سے تعبیر کرنا جہالت اور تعصب کا مظہر ہے۔ آخر میں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی کا ہر پہلو ایک الہامی ترتیب، اخلاقی تربیت، دعوتی حکمت اور سماجی مفاہمت کا شاہکار ہے۔ جو شخص غیر جانبدارانہ انداز سے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے گا، وہ اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا کہ نبی ﷺ کی ہر شادی کا مقصد خدا کے دین کی خدمت اور انسانیت کی فلاح تھا، نہ کہ ذاتی خواہش کی تسکین۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں مستشرقین کی سطحی سوچ اور نبی ﷺ کی عظیم سیرت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔

خلاصہ بحث

ضیاء النبی پیر کرم شاہ الازہریؒ کی ایسی علمی و تحقیقی تصنیف ہے جس میں مستشرقین کے اعتراضات کا نہایت مدلل اور متوازنہ جواب دیا گیا۔ یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ مستشرقین کی بیشتر تنقیدات تاریخی سیاق و سباق سے کٹی ہوئی، تعصب زدہ اور جزوی حوالہ جات پر مبنی تھیں۔ اس کے برعکس، پیر کرم شاہؒ نے وحی و نبوت کے تصور کو قرآنی دلائل اور عقلی استدلال سے واضح کیا، اسلامی تاریخ و حدیث کی سندیت کو بیان کیا اور جہاد کے بارے میں مغربی مغالطوں کو رد کیا۔ ان کی علمی کاوش صرف

[1] ضیاء النبی، جلد ۴، صفحہ ۳۱۵

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

دفاعی ردعمل نہیں بلکہ ایک تعمیری منہج ہے جو کلاسیکی اسلامی ذخیرے کو جدہ ید فکری تقاضوں کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ نتیجتاً، ہہ ضیاءالنبیہ نہ صرف سیرت نگاری کی ایک شاندار مثال ہے بلکہ عصر حاضر میں اسلام پر ہونے والی فکری تنقیدات کے جواب ہ کے لیے بھی ایک عملی وپائیدار فریم ورک فراہم کرتی ہے۔

تجاویز وسفارشات

سیرت نگاری میں مستشرقین کے اعتراضات پر منظم اور موضوعاتی تحقیقی کام کو جامعات میں فروغ دیا جائے۔ہ 1.

ضیاء النبی کو عصری تقابلی مطالعات کے نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ طلبہ کو جدید تنقیدات کا علمی جواب سیکھنے کاہ 2.

موقع ملے۔

سیرِت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے استشراقی مطالع جات کا تجزیہ نئ سائنسی و سماجی تحقیقات کے ساتھ مربوط کر کے ہ 3.

پیش کیا جائے۔